ڈاکٹر سید زاہد علی واسطی

جہاد کی حقیقت

جہاد کے لغوی معنی ہر وہ کوشش اور محنت ہے جو کسی معین مقصد کے لیے کی جائے اور اصطلاح میں اس محنت اور کوشش کو کہتے ہیں جو اللہ کے لیے اللہ کی راہ میں، اسلام کے لیے، نظامِ ملت کے لیے یا استحکام شعائر اللہ کے لیے کی جائے (دائرۃ معارف اسلامیہ) یہ لفظ قرآن میں کبھی لغوی معنوں میں اور کبھی اصطلاحی معنوں میں متعدد مرتبہ استعمال ہوا ہے۔

اس روئے زمین پر اخلاق و آداب، عبادات و معیشت، سیاست و معاشرت۔ الغرض تمام معاملات میں قدم قدم پر ہر خیر کے ساتھ ساتھ شر کا عنصر بھی کارفرما ہے۔ اسلام امر بالمعروف (خیر) کا داعی ہے اور نہی عن المنکر (شر) کی نفی کرتا ہے۔ اس کوشش کو شریعت نے جہاد فی سبیل اللہ کا نام دیا ہے۔ اس لیے راہ خدا میں جہاد کرنے کا مفہوم سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ اللہ کی رضا کی خاطر اس کے دینِ برحق کی سربلندی کے لیے وہ سب کچھ کر ڈالا جائے جو انسان کے دائرہ اختیار میں ہو۔ اس مقصدِ اعلیٰ کے حصول میں پوری قوتیں صرف کر دینے کا نام جہاد ہے۔ زیادہ معین معنوں میں جہاد۔ اسلام کا فریضہ بھی ہے اور ہر مسلمان پر واجب بھی ہے کہ بطورِ عبادت وہ ہر کوشش اور محنت کرے جو ملت کے استحکام میں اعلائے کلمۃ الحق میں مظلوم بھائیوں کی حمایت میں اسلامی ریاست کے خلاف حملہ آوروں کے مقابلہ میں بارآور ثابت ہو سکے۔ مستشرقین کی یہ کج فہمی ہے کہ جہاد محض ہوس دولت اور ملک گیری کے سلسلہ میں لڑائی کا نام ہے۔ جنگ (قتال) ضرور جہاد میں شامل ہے مگر یہ جہاد کی آخری اور انتہائی صورت ہے۔ اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ اسلامی اقامت کے لیے جنگ کرنا واحد وسیلہ نہیں ہے۔ مگر جب اللہ کا بول بالا کرنے اور کلمۃ اللہ کے اعلاء میں باطل قوتوں سے جنگ ناگزیر ہو جائے اس وقت ملی استقامت کے لیے تلوار سے جہاد (جنگ) ایک بنیادی ضرورت بن جاتی ہے۔ امام بخاری نے عبداللہ بن عمر سے اندرونی شورش کے سلسلہ میں روایت کی ہے کہ فتنوں کو کچلنے کے لیے پہلے سامان مہیا کرو، عقل اور شریعت کا حکم ہے

جذبات جب انجام بینی سے یکسر خالی ہوں تو دائمی ناکامی کا پیش خیمہ ہوتے ہیں۔ اسی طرح جب عقل جذبات سے کوری ہو جاتی ہے تو وہ بھی صرف دماغی فلسفہ میں مبتلا ہو کر رہ جاتی ہے۔ کامیابی کا راز جوش کے ساتھ ساتھ ہوش میں پنہاں ہے (ترجمان السنہ)

جیسا کہ بیان کیا گیا ہے کہ جہاد صرف جنگ کرنے ہی کا نام نہیں ہے۔ بلکہ یہ تطہیر حیات کی ایک مہم ہے۔ یہ ایک جہد مسلسل ہے۔ اسلام کی فضیلت اور کفر کی فضیحت کی تبلیغ کرنا (قلم سے یا زبان سے) اور اپنے مال و دولت کو اسلام کے قیام میں خرچ کرنے کی جد و جہد کرنا ضروری ہے اور جب کوئی چارہ نہ رہے تب دین متین کی خاطر دشمنان اسلام سے جنگ (تلوار سے جہاد) کرنا برحق ہو جاتا ہے۔ اور اس جہد مسلسل میں تمام یا کسی ایک میں بھی حصہ لینے والے کو جہاد میں شریک سمجھنا واجب ہے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو یہاں تک بھی فرمایا کہ سلطان جابر یا بے دین کے سامنے کلمۂ حق کہنا بھی جہاد ہے۔ (سید سلیمان ندوی۔ سیرۃ النبی)

ہمیں اعتراف ہے کہ بعض مسلمان بادشاہوں کا اصول جنگ جہانبانی نہیں تھا بلکہ مقصد جہاں داری تھا جس کو جہاد سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ جہاد ایک مقصد ارفع کی بازیابی کے لیے ہوتا ہے نہ کہ تخت و دولت کی دستیابی کے لیے۔ جن بادشاہوں نے جہاد بر قانون قرآنی کے مطابق عمل کیا وہ جزا کے مستحق ہوں گے اور جنھوں نے ایسا نہ کیا وہ خود خدا کے سامنے جواب دہ ہوں گے۔ سیدھی سچی بات یہ ہے کہ ہمارے لیے قانون ربانی ہی حجت ہے اور اس کے خلاف کوئی فعل باعثِ حجت نہیں بن سکتا۔

حضرت آدم علیہ السلام سے حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک جتنے بھی انبیاء کرام مبعوث ہوئے اور انھیں جن ادیان کی سربراہیاں سونپی گئیں ان سب میں قدر مشترک توحید تھی۔ یہ بنی نوع انسان کا ایک ایسا ازلی اور ابدی عقیدہ تھا اور ہے جو زمان و مکان کی قیود و قدغن سے بالاتر ہے۔ تمام انبیائے کرام کو پے درپے تاکید و ہدایت کی جاتی رہی کہ ہر حالت میں گم کردہ راہ انسانیت کو توحید کی تبلیغ اور توحید حق کی تلقین کرتے رہیں۔ کسی نبی کے لیے توحید امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے معنوی۔ اعتقادی اور عملی تقاضوں کو بذاتِ خود سمجھ لینا یا ان پر عمل درآمد کرنا ہی کافی نہ سمجھا گیا۔ بلکہ واضح ہدایات ارسال فرمائی گئیں کہ وقت اور حالات کی پابندیوں، مصلحتوں، اندیشوں کو بالائے طاق رکھ کر دنیا کے بندگانِ عقل و خرد اور خوگرانِ محسوسات میں کھلم کھلا راہ صواب۔ توحید کے فہم و ادراک کے لیے جہاد (جد و جہد)

کرتے رہو۔ چونکہ توحید ہی وہ فلسفہ ہے اور فطری عقیدہ ہے جو انسان کو ہر ممکن لغزش سے محفوظ کر کے تائید ایزدی پر مکلف کرتا ہے۔ اس عقیدہ کو ہر جہت میں اسلام کے نام سے ہی یاد کیا گیا۔ صحف ابراہیم سے لے کر خاتم الانبیاء تک اسلام کا مذہب ہی انشراح ہدایت بنا رہا۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلام ایک تبلیغی مذہب ہے۔ جس میں برائی سے گریز اور سچائی کا پھیلانا افضل ہے۔ اگر ہم ان عوامل کا بہ نظر غائر مطالعہ کریں کہ وہ کون کون سی قوتیں ہیں جنہوں نے اس مذہب کو روئے زمین پر پھیلا دیا اور اس جدوجہد میں کون کون سے وسائل کارفرما رہے تو ایک بصیر ہرگز ہرگز یہ کہنے کا جواز نہیں رکھتا کہ یہ مذہب تلوار سے پھیلا ہے۔ مذہب اسلام کی وسعت اور کامرانیوں کی تاویلات جو مغربی مفکرین اور مستشرقین نے پیش کی ہیں وہ ان اذکار کے وقت سینٹ لوئیس کے احکامات کو فراموش کر دیتے ہیں۔ جس نے حکم دیا تھا کہ جب کوئی شخص عیسائی مذہب کی مذمت میں کوئی لفظ کہے تو دین کی حمایت میں تلوار کا اس طرح وار کرو کہ اس منکر عیسائیت کے پیٹ میں پوری اتر جائے (سجہ، جی، ول سینٹ لوئیس) اس کے برعکس اسلام میں فریضۂ تبلیغ ایسی چیز نہیں بلکہ۔

ترجمہ:- لوگوں کو اپنے پروردگار کے راستہ کی طرف دانائی اور اچھی شخصیت کے لیے بلاؤ اور ان کے ساتھ ایسے طریق پر مباحثہ کرو جو بہت اچھا ہو۔ (النحل ۱۲۶)

ترجمہ:- جن لوگوں نے انبیاء کے بعد ورثے میں کتاب پائی ہے وہ اس کے بارے میں شک میں ہیں۔ اس لیے ان کو بلائیے اور اس پر مضبوطی سے قائم رہیے۔ جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے اور ان کی خواہشات کی پیروی مت کیجیے اور کہہ دیجیے کہ میں ایمان لایا ہوں۔ اس کتاب پر جو خدا نے اتاری ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان عدل کروں۔ اللہ ہمارا پروردگار ہے۔ ہمارے لیے عمل ہیں اور تمہارے لیے عمل ہیں۔ ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی جھگڑا نہیں۔ اللہ ہمیں اکٹھا کرے گا اور ہمیں اس کے پاس ہی لوٹ کر جانا ہے۔ (الشوریٰ ۱۳-۱۴)

یہ تھیں وہ ہدایات جو دین اسلام کے پیروکاروں کے لیے نازل فرمائی گئیں۔ اگر آپ تاریخ کا مطالعہ فرمائیں تو محسوس کریں گے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کفارہ کو مسلمان بنانے پر اتنا زور نہیں دیا جتنا کہ ان کو دائرہ حکومت الٰہیہ میں داخلے کے لیے کوشش کی۔ فتوحات جو جنگ کے ذریعہ بھی کی گئیں وہاں بھی مسلمانوں کی غایت یہ ہرگز نہ تھی بلکہ مقصد اولین یہی تھا کہ غیر مسلموں کو حکومتِ

اسلامیہ کے زیرِ نگین کر لیا جائے۔ قرآن میں کسی جگہ بھی کسی شخص کے مذہب کو جبراً تبدیل کرانے کی اجازت نہیں ہے۔ پورے قرآن پاک میں تلاش کر لیجئے کوئی بھی ایک نظیر نہیں ملتی ہے جس سے جبری تبدیل مذہب کی تاویل نکل سکتی ہو۔ اس کے برعکس اشاعت اسلام کی نصیحت اور درستگیٔ فکر و عمل کی ترغیب ہر جگہ نظر آتی ہے۔ آپ کے پیشِ نظر حضور رحمۃ للعالمین کی سیرت طیبہ کی روشن مثال موجود ہے کہ آپ نے اسی تعلیم و تلقین کی رو سے تمام دفاعی لڑائیاں لڑیں۔ پس ثابت ہوتا ہے کہ اسلام ہمیشہ صرف نظریہ اور عمل کی درستگی کا متقضی رہا ہے۔

لفظ جہاد کا مادہ ج ہ د ہے جو مختلف الفاظ سے مشتق ہے۔ قرآن حکیم میں یہ لفظ کم و بیش ۲۸ مقامات پر اپنے مادہ کی مختلف مشتقات کی اشکال میں نظر آتا ہے۔ سورہ بقرہ میں ایک مرتبہ سورہ آل عمران میں ایک مرتبہ، سورۃ نساء میں ۳ مرتبہ۔ سورۃ مائدہ میں ۳ مرتبہ۔ سورہ انعام میں ایک مرتبہ۔ سورۃ توبہ میں یہ لفظ مختلف صورتوں میں ۱۲ مرتبہ، سورۃ نحل میں دو مرتبہ۔ سورہ الحج میں ایک مرتبہ۔ سورۃ النور میں ایک مرتبہ۔ سورۃ فرقان میں دو مرتبہ، سورہ لقمان میں ایک مرتبہ۔ سورۃ فاطر میں ایک مرتبہ، سورہ الحجرات میں ایک مرتبہ، سورہ محمدؐ میں ایک مرتبہ، سورۃ صف میں ایک مرتبہ اور سورہ ممتحنہ میں ایک مرتبہ استعمال ہوا ہے۔

ان آیات ربانی میں کسی جگہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں کوشش کرنا مقصود ہے۔ کسی جگہ کافروں اور منافقوں کو وعظ و نصیحت کرنے کی کوشش پر وعظ و تلقین ہے۔ کسی جگہ امر بالمعروف نہ کرنے اور گھروں میں چھپے بیٹھے رہنے والوں پر اللہ کی راہ میں مشقت اٹھانے والوں کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ کسی جگہ اللہ کے راستہ میں محنت اور کوشش کرنے والوں کو ثابت قدم رہنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ کسی جگہ مہاجرین کو پناہ دینے اور ان کی مدد کرنے کی فہمائش کی گئی ہے۔ کسی جگہ قرآنی احکامات پر چلنے والوں کو جنت کی بشارت دی گئی ہے۔ کسی جگہ منافقوں اور کافروں کو دوست بنانے والوں پر لعن طعن کیا گیا ہے۔ کسی جگہ واضح کیا گیا ہے کہ نام کے مسلمان اور سچ مچ جو اللہ کی راہ میں کوششیں کرتے ہیں برابر نہیں ہو سکتے۔ کسی جگہ اللہ کے خوف اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈنے کی کوشش کرنے کی طرف راغب کیا گیا ہے۔ الغرض لفظ جہد یا اس کے مشتقات جو قرآن پاک میں جستہ جستہ استعمال ہوئے ہیں قطعی طور پر یہ وضاحت نہیں کرتے کہ کافروں کو بلا وجہ قتل کرنے یا کسی پر امن غیر مسلم حکومت پر چڑھ دوڑنے اور جنگ و جدال کرنے کا نام جہاد ہے۔

آپ یہ معلوم کر کے حیران ہو جائیں گے کہ قرآن پاک میں جہاد کو تمام انسانی اعمال میں ایمان کے بعد سب سے بڑا درجہ دیا گیا ہے۔ اگر فہم و ادراک کو بروئے کار لائیں تو محسوس ہو گا کہ واقعی جہاد فی سبیل اللہ تمام فضائل و مکارم اخلاق کی روح ہے۔ اس لیے کسی جگہ بھی جہاد کے لیے یہ کہہ کر رغبت نہیں دلائی گئی کہ تم خدا کے لیے کوشش کرو۔ تبلیغ کرو یا لڑائی لڑو اور اس کے بدلے میں تمہیں مال و دولت ملے گی۔ تاج و تخت ملے گا۔ عزت و ثروت ملے گی۔ سطوت و حکومت ملے گی بلکہ اس کے برعکس جہاں اللہ کی راہ میں کوشش، جدوجہد اور محنتیں کرنے کی اجرت کا بیان کیا۔ فرمایا گیا ہے کہ اس کے عوض میں محض تمہیں خدا کی خوشنودی حاصل ہو گی۔ خدا کے ہاں بڑا درجہ ملے گا۔ دوزخ کے عذاب سے محفوظ رہنے کا وعدہ اور دائمی بہشت میں قیام گاہ کی یقین دہانی کرائی گئی ہے۔

جو لوگ یہ تصورات رکھتے ہیں اور یہ توجیہات پیش کرتے ہیں کہ جہاد صرف تلوار سے دین اسلام پھیلانے کا نام ہے اور صرف تلوار کے ساتھ جہاد کرنے سے ہی اسلام روئے زمین پر پھیلا ہے۔ ان کی یہ کم عقلی اور کوتاہ بینی ہے اور مطالعہ تاریخ کی قلت کا سبب ہے۔ روئے زمین پر مشرق سے مغرب تک اور شمال سے جنوب تک کوئی خطۂ زمین اس وقت ایسا نہیں ہے جہاں کوئی نہ کوئی اسلام کا نام لیوا موجود نہ ہو۔ یہ شرف صرف جہاد (بالقلم یا باللسان) کو ہی حاصل ہوا۔ مبلغینِ اسلام نے کفار اور منکرین کو دائرۂ اسلام میں لانے کے لیے بغیر جبر و اکراہ جو کوششیں کی ہیں وہ آج اظہر من الشمس ہیں۔ اب کوئی ان سے یہ پوچھے کہ چین، برما، ملایا، فلپائن، جاوا، سماٹرا، آسٹریلیا، شمالی امریکہ، جزائر غرب الہند اور ایسے ہی متعدد ممالک میں اسلام کی اشاعت کے اسباب کیا تلوار رکھتی؟ ہرگز نہیں۔ حالات میں انقلاب کیسے آیا۔ یکایک ہوا کا رخ کیسے بدل گیا۔ حقیقتیں کیسے پلٹ گئیں۔ ساکنینِ ارض کے سابق نظریات و دلائل کیوں غلط ثابت ہوئے۔ بڑی بڑی قدیم سلطنتیں خس و خاشاک کی طرح کیوں بہ گئیں۔ آلاتِ حرب اس سیلاب کو کیوں نہ روک سکے۔ یہ سیلاب ہزارہا سال کی پرانی تہذیبوں کو کیوں بہا لے گیا۔ اقوام و ملل کے عقائد و نظریات کیسے تبدیل ہو گئے اور وہ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ یہ تھا وہ جہاد۔ یہ تھیں تبلیغ اسلام کی وہ بے پناہ اور ان تھک کوششیں جنھوں نے کفار کے جور و تعدی سے کروڑوں افراد کو نجات دلائی۔

پروفیسر آرنلڈ نے اسلام کی روحانی فتوحات کا ذکر کرتے ہوئے اس امر کا اعتراف کیا ہے

کہ تبلیغ ہی وہ مؤثر حربہ ہے جو دین اسلام میں مرکزی حیثیت رکھتا ہے اور اس دعوے کی تردید کرتا ہے کہ اسلام میں جہاد بالسیف ہی اسلام کی اشاعت کی بنیاد ہے۔" جس زمانہ میں تاتاری لشکروں نے بغداد کو تاخت و تاراج کر دیا فرڈی ننڈ نے مسلمانوں کو قرطبہ سے باہر نکال دیا۔ سرزمین اندلس میں مسلمانوں کی آخری جائے پناہ غرناطہ بھی عیسائی حکومت کا باج گزار بن گیا۔ عین اسی زمانہ میں اسلام نے جزائر سماٹرا، بورنیو، جاوا میں اپنے قدم جمالیے اور مجمع الجزائر ملایا سے اپنی پیش قدمی کی ابتدا کی۔ یہ امر قابلِ غور ہے کہ اسلام نے اپنے اسی زوال اور انحطاط کے زمانہ میں بعض نہایت شاندار روحانی فتوحات حاصل کی تھیں۔ مثلاً اسلام کی تاریخ میں دو مواقع ایسے آئے جبکہ وحشی کفار نے مسلمانوں کو سختی کے ساتھ پامال کر دیا۔ اولاً سلجوقی ترکوں نے گیارھویں صدی اور ثانیاً تاتاریوں نے تیرھویں صدی میں مسلمانوں کو مفتوح کیا تو کیا ہوا؟ ان دونوں موقعوں پر فاتحین نے اسی قوم کا مذہب اختیار کر لیا جس کو انھوں نے مغلوب کیا تھا۔ مسلمان مبلغین نے اپنا مذہب وسطی افریقہ، چین اور جزائر ہند چینی میں کیسے پھیلایا۔ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ حالانکہ ان کو وہاں کسی دنیوی حکومت کی امداد حاصل نہ تھی، روئے زمین کے اس قدر وسیع حصے میں اسلام نے جو اشاعت پائی ہے اس کے کئی معاشرتی سیاسی اور مذہبی اسباب ہو سکتے ہیں۔ مگر سب سے قوی اور سب سے عظیم الشان اس کی کامیابی یہ ہے کہ مسلمان مبلغین نے اس بارے میں انتھک کوششیں کیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ حسنہ ان کے سامنے تھا۔ چنانچہ انھوں نے کفار اور منکرین کو دائرہ اسلام میں لانے کے لیے اپنی قوتوں کو بے دریغ صرف کیا۔ (پریچنگ آف اسلام)

تاریخ اسلام کے ابواب ان حقیقتوں سے بھرے پڑے ہیں کہ ائمہ کرام، اولیائے کرام، صالحین مجددین نے ہمیشہ بڑے بڑے بادشاہوں کے سامنے اعلائے کلمۃ الحق کہا۔ اس جہاد میں انھوں نے بڑی بڑی صعوبتیں اٹھائیں۔ مگر ان کے پائے استقامت کو لغزش نہ آنے پائی۔

امام ابو حنیفہ حق گوئی و بے نیازی میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ قلائد عقود العقیان کا بیان ہے کہ آپ بارہ لاکھ نوے ہزار سے زائد مسائل کے مدون تھے۔ آپ کو بنی امیہ کے آخری حاکم عراق ابن ہبیرہ نے تازیانے لگوائے۔ خلیفہ ابو جعفر منصور نے آپ کو سالہا سال زندان میں ڈالے رکھا۔ حتیٰ کہ وہیں انتقال فرما گئے۔ امام ابن تیمیہ بڑے مجتہد فی الدین تھے۔ علوم قرآنیہ حدیث اور فقہ میں آفتاب نصف النہار تھے مگر سلطان وقت کے حکم سے آپ کی عمر کا بیشتر حصہ پابند زنداں کیا گیا۔ آپ دو رکیوں جاتے ہیں۔ پاک و ہند کی تاریخ کے اوراق الٹ کر ملاحظہ کریں

جہاں حضرات ابوالحسن ہجویری، فریدالدین گنج شکر، قطب الدین بختیار کاکی، خواجہ نظام الدین اولیاء۔ خواجہ معین الدین چشتی، بہاؤ الدین ذکریا، لعل قلندر، مجدد الف ثانی جیسے عزم وثبات کے کوہ گراں نظر آئیں گے۔ یہ لوگ علم وبصیرت زہد وتقویٰ اور صدق وخلوص کے تقیدالمثال پیکر تھے۔ کون ہے؟ جو ان جیسی برگزیدہ ہستیوں کے اسمائے گرامی صفحات تاریخ سے حذف کر سکتا ہے۔ جن کے پاس نہ فوج تھی نہ لشکر نہ آلاتِ حرب جو جہاد بالسیف کرتے۔ یہ صرف آپ کے اوصافِ کردار اور قرآن وسنت کی تبلیغ ہی تھی جس کی وجہ سے کروڑوں انسان اسلام کے دامن میں سما گئے۔ جنھوں نے دنیاوی دولت وثروت۔ راحت ومسرت۔ اقتدار واختیار حکومت وقیادت سب کو لات مار کر غربت وفلاکت، مصائب وآلام، مجبوری ومحکومی کے ادوار میں استغنا وبے نیازی سے اللہ کی رضا کے لیے زبان سے جہاد کیے۔ قلم سے جہاد کیے اور تاریخ گواہ ہے کہ دین اسلام کی اشاعت محض ایسے پُرامن طریقوں سے کی اور ایسے ایسے محرکات و اسباب پیدا کیے کہ لوگ جوق درجوق آپ حضرات کے اعلیٰ تخیلات اور صحیح مقاصد کے پیروکار بن گئے۔ انہوں نے اس قدر محبت ومودت، شفقت وروحانیت سے رب العزت کی اطاعت و خوشنودی اور عقبیٰ کے عیش جاودانی کی طرف رغبت دلائی کہ جس کی وجہ سے گناہ ومعصیت میں مبتلا کثیر التعداد مشرکین اسلام کی جانب کھنچے چلے آئے۔

بیشتر مواقع ایسے بھی آئے کہ بعض علماء وصالحین کو شہنشاہی سطوتوں نے مجبور ومہجور بھی کیا۔ قید وبند کی زنجیریں، دار ورسن کی صعوبتیں بھی برداشت کرنا پڑیں مگر روحانیت کی طاقت نے مادیت کے ایک ایک پھندے کو کاٹ کر پھینک دیا۔ حق کے سامنے باطل کا سر جھک گیا۔ اگر ان اکابرین کی حکمت اور دانائی بروقت آڑے نہ آتی تو کفر کی حریصانہ وطاغوتی ہلاکتیں اسلام کی اشاعت وتبلیغ میں سدِراہ بن جاتیں۔ ایسے ہی موقعوں پر علمائے بیباک کی شعلہ بیان تقریروں نے سوختہ خرمن مسلمانوں کے دلوں میں ایمان کی تمازت سے روحِ اسلام کو تر وتازہ کر دیا اور غالب مادی طاقتیں لڑکھڑا اٹھیں۔

یہ بات بالکل لغو ہے کہ لوگ کسی سیاسی یا اقتصادی اغراض کے لیے اپنا مذہب ترک وقت تبدیل کرنے پر مجبور ہو گئے تھے یا گردن زدنی کے خوف سے محفوظ رہنے کی خاطر ان کے لیے تبدیلِ مذہب ناگزیر ہو گیا تھا۔ نہ ہی ایسا امکانات میں سے ہے کہ لاکھوں کروڑوں افراد اپنے آبائی مذہب کو ترک کر کے دوسرے دین میں داخل ہو جائیں۔ یہ اجتماعی لبیک فی الاسلام صرف اسی پر

جہاد ہے کہ جہاد باللسان نے سالکین کے قلوب و اذہان کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا اور یہ سب کچھ ان صالحین کی تعلیمات، فرمودات، ملفوظات، اعجاز فکر، تدبیر و دانش کی بین اور ناقابل تردید دلیل ہے۔

روز ازل سے قتل جیسا فعل ہر تہذیب، ہر معاشرہ میں ہمیشہ ناپسندیدہ رہا ہے۔ قرآن حکیم میں متعدد آیات میں قتل کو حرام قرار دیا گیا ہے اور اس فعل کو بدترین گناہ قرار دیا گیا ہے کیونکہ امن اور اتحاد کی راہ میں قتل و غارتگری معاشرے کے نظام کو کھوکھلا کر دیتی ہے اسلام کی تو بنیاد ہی عدل و انصاف۔ مکافاتِ عمل اور اطاعت شعاری پر استوار کی گئی ہے اس کی دیواریں افراط و تفریط کے درمیان عدل و توسط کے بیش بہا اصولوں پر قائم کی گئی ہیں۔ شعائر اللہ میں کسی انسان کا خون بہانا حرام اور معصیت گردانا گیا ہے۔ اس فعل کو ہر مقام پر انتہائی قساوت اور سنگدلی کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ اور اس کے ارتکاب پر جن زاویوں سے قرآن نے نفرین کی ہے وہ فقید المثال اور دل نشین تنبیہ و تہدید ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

لَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ (اپنی جانوں کو قتل نہ کرو) گویا ایک شخص کا دوسرے شخص کو قتل کرنا خودکشی کے مترادف ہے۔ لَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ (جس جان کو اللہ تعالیٰ نے محترم کیا اسے ناحق قتل نہ کرو۔ لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ (اپنی اولاد کو محتاجی کے ڈر سے قتل نہ کرو۔ قتلِ اولاد گناہ کبیرہ قرار دیا گیا ہے اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا (اولاد کا قتل بہت بڑا گناہ ہے) مَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا۔ (جو کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرے گا اس کی سزا دوزخ ہے۔ وہ ہمیشہ اس میں رہے گا اور اس پر غضب ہوگا اور اس پر لعنت ہوگی اللہ نے اس کے لیے بھاری عذاب تیار کیا ہے۔

یہ پڑھ کر ذہن میں ایک سوال ابھرتا ہے کہ ناحق قتل کیا ہوتا ہے؟ مسلمان کو قتل کرنے پر کیوں وعید ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ آئیے اس کا تجزیہ کرتے ہیں۔ قتل کے بارے میں قرآنی عبارتوں کا جب بغور مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ کچھ افعال ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ ہیں۔ مثلاً ایمان داری، مظلوموں کی امداد، محتاجوں کی اعانت، عدل و انصاف کا قیام۔ خدا اور بندوں کے حدود کی ادائیگی و تبلیغ۔ اس کے برعکس خیانت، دروغ گوئی، فتنہ و فساد، بے انصافی، باطل کی حمایت، حق و صداقت کا اخفا، کمزور اور زبردست کو ستانا ایسے اعمال ہیں

افعال ہیں جو خلاف انسانیت وخلاف فطرت ہیں۔ جن سے احتراز اوران کا قلع قمع کرنے کی جدوجہد اللہ تعالیٰ کو انتہائی پسند ہے۔

جس طرح افراد پر اپنے نفس ہی کے نہیں بلکہ اپنے ابنائے نوع اور اپنے خدا کے بھی کچھ حقوق ہوتے ہیں۔ جنہیں ادا کرنا ان کا فرض ہوتا ہے۔ اسی طرح ایک قوم پر بھی اپنے خالق اور اپنی وسیع انسانی برادری کی طرف سے کچھ حقوق عائد ہوتے ہیں اور وہ ہرگز ایک شریف قوم کہلانے کی مستحق نہیں ہوتی جب تک کہ وہ ان حقوق کو ادا کرنے میں اپنی جان ومال اور زبان و دل سے جہاد نہ کرے اپنی آزادی کو محفوظ رکھنا اپنے استقلال کی حمایت کرنا اپنے آپ کو شرارت کے تسلط سے بچانا یقیناً ایک قوم کا پہلا فرض ہے۔ لیکن صرف یہی نہیں جس کو ادا کر کے اسے مطمئن ہو جانا چاہیے بلکہ اس کا اصل فرض یہ ہے کہ وہ اپنی قوت سے تمام نوع بشری کو نجات دلانے کے لیے کوشش کرے۔ انسانیت کے راستہ سے تمام رکاوٹیں دور کرے اور جو اس کی اخلاقی ومادی اور روحانی ترقی میں حائل ہوں اور ظلم وطغیان، بدی وشرارت فتنہ وفساد کے خلاف اس وقت تک برابر جنگ جاری رہے، جب تک یہ شیطانی قوتیں دنیا میں باقی ہیں (مودودی۔ جہاد فی الاسلام)

قرآن مجید میں ناحق قتل کرنے کا ذکر متعدد جگہوں پر وضاحت سے کیا گیا ہے۔ مثلاً اپنی اولادوں کو تنگ دستی کی غرض سے قتل نہ کرو۔ روزی دینے والا تو اللہ ہے (بنی اسرائیل) بدکاری کو روکنے کے لیے مگر حد سے تجاوز کرنے پر قدغن لگا دی گئی ہے (الفرقان) مسلمانوں کو تنبیہ کر دی گئی ہے کہ مسلمانوں کو قتل نہ کرو بلکہ یہ فعل انتہائی مکروہ اور گھناؤنا بتایا گیا ہے کہ اس پر اللہ کی لعنت ہوگی (النساء) کچھ آیات میں قتل کرنے کی سخت مذمت کی گئی ہے بلکہ اسے کفر کی نشانی بتائی گئی ہے (التکویر، انعام، النحل، المومن، انفال، مائدہ) کفار کو انبیاء کے قتل پر زجر وتوبیخ کی گئی ہے۔ (البقرہ، مائدہ، النساء) کسی مسلمان کو کسی کافر کے بدلہ میں قتل کرنے پر نفرین کی گئی ہے (النساء، آل عمران) چنانچہ اس قسم کے قتال کو ناحق قرار دے کر اظہار تنفر کیا گیا۔ بیعت کرتے وقت امت میں داخل ہونے والا دوسری باتوں کے ساتھ ساتھ اسی بات پر بھی بیعت کرتا تھا کہ وہ کسی کو ناحق قتل نہیں کرے گا۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ناحق قتل کرنے والوں پر لعنت کی (دائرہ معارف اسلامیہ) اسلام قبول کرنے کے بعد ایک آدمی کی جان ومال دونوں محفوظ ہو جاتے ہیں۔ مسلمان کی جان اور اس کا مال ایسے ہی حرام ہیں

جیسے ذوالحجہ میں حدودِ حرم کے اندر قربانی کا دن (البخاری، کتاب الدیات) قیامت کے دن سب سے پہلے بے گناہوں کے قتل کے مقدمات پیش ہوں گے۔ اب ذرا سوچیے تو سہی جہاد اور قتل کا کیا تعلق ہے۔ یہ غلط خیال لوگوں کے اذہان میں بٹھایا گیا ہے کہ جہاد صرف قتل و غارت گری کا نام ہے، سوچئے تو سہی کہ یہ کہاں تک درست ہے۔ اسلام سے زیادہ کسی مذہب نے قتل پر نفرین نہیں کی۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ وہ کون سی وجوہات اور اسباب ہیں جہاں قتل کو ایمان کا جزو قرار دیا گیا ہے۔

درحقیقت حضورؐ کے لیے خیر کثیر تو آپ کے مراتب قرب و درجات عالیہ کے لحاظ سے ظاہر ہی ہے مگر دنیا و عقبیٰ کے تمام انعاماتِ الٰہی و کثرتِ علوم۔ کثرت معارف، کثرت حسنات کثرتِ عبادات، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی حصہ ہیں مگر ان کے باوجود آپ کا کوئی قدم اللہ جل و علیٰ کی جانب سے کسی وقت کسی لمحہ بھی بغیر رہبری و رہنمائی کے نہ اٹھتا تھا۔ آپ کو قرآن کے ذریعہ تبلیغ دین کی ہدایات ملتی تھیں جو کہ تبلیغ دین مبین کا ذریعہ تھیں۔ وَيَقُولُونَ طَاعَةٌ فَإِذَا بَرَزُوا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ غَيْرَ الَّذِي تَقُولُ وَاللَّهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُونَ (النساء: ۸۱)

ترجمہ۔ وہ تجھ سے کہتے ہیں کہ ہم مطیع ہیں مگر جب تیرے پاس سے نکلتے ہیں تو ان میں سے ایک گروہ جو کچھ کہتا ہے، اس کے خلاف رات کو منصوبے گانٹھتا ہے۔ اور جو کچھ یہ لوگ راتوں کو منصوبے بناتے ہیں اللہ ان سے خبردار ہے۔

ملاحظہ فرمائیں یہاں باطل کو اپنا سہیم و شریک بنانے پر نفرین کی گئی ہے۔ اپنے اصولوں پہ سختی سے کاربند رہنے کی تلقین کی گئی ہے تاکہ اجتماعی نظام کی بنیادیں نہ خراب ہو جائیں۔ مزید سورۃ کافرون میں کفر و باطل کی قدروں کو صریحاً الگ الگ کر دیا گیا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے۔

ترجمہ: آپ کہہ دیجیے۔ اے کافرو! نہ تو میں تمہارے معبودوں کی پرستش کرتا ہوں نہ تم میرے معبود کی پرستش کرتے ہو اور نہ میں تمہارے معبودوں کی پرستش کرنے والا ہوں اور نہ تم میرے معبود کی پرستش کرنے والے ہو۔ تمھیں تمہارے دین کا بدلہ ملے گا اور مجھے میرا بدلہ۔ (ماجدی)

یہ خطاب ان کافروں سے ہے جو کفر و ایمان کو جاہلیت و اسلام کے طریقوں کو بعض و عناد کے سیب ملانے کی تجویزیں کرتے تھے انتہائی منافقانہ اقدام زیر عمل لاتے تھے۔ یہ کوششیں

عرب اور اس دور کے عرب کے ساتھ بھی مخصوص نہ تھیں بلکہ بار ہا یہ کوششیں کی جا چکی ہیں۔ اور اب بھی جاری و ساری ہیں کہ کفر و اسلام، شرک و توحید کو خلط ملط کر کے اصل دین سے فرار کی صورت نکال ڈالیں۔ اسلامی سوشلزم کی اسکیم ایک ایسے ہی افترا پرداز اور ملمع ساز ذہن کی تعمیر تھی۔ مگر قرآن میں صاف صاف فرمایا جاتا ہے کہ کہہ دو جب تک تم اپنے دین پر قائم ہو تمہارا شمار اہل توحید میں نہیں ہو سکتا اور جب تک میں اپنے مسلک پر قائم ہوں مشرک نہیں بن سکتا۔ کفر و اسلام کے درمیان کوئی نقطۂ اشتراک نہیں ہے۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ نے فرمایا کہ سورت کافرون میں اہل ضلال سے تبرّی و مفارقت کی تصریح نکلتی ہے اور اسی کا دوسرا نام بغض فی اللہ ہے۔

اس امر میں کوئی گنجائش نہیں کہ اسلامی حکومت کا فرض اولین یہ ہے کہ شعائر اللہ کے اصولوں پر سختی سے قائم رہے۔ اپنے اجتماعی نظام میں دورخی پالیسیوں پر عمل پیرا ہونے سے گریز کرے۔ جب کہ اسلام کو فطری یکتائی پسند ہے۔ جو لوگ اسلامی دستورِ حیات پر یقین نہیں رکھتے اور ان قوانین کے بارے میں استہزا کرتے ہیں۔ ان کو قرآن و سنت کی اطاعت پر آمادہ کیا جائے۔ جس کی بہترین صورت یہ ہے کہ سربراہ اور عمال حکومت پہلے خود اپنا محاسبہ کریں اور عوام الناس کو اسلامی شعائر کا عملی نمونہ بن کر دکھائیں اور دیکھنے والوں کے لیے سراپا اسلام کا جیتا جاگتا پیکر بن جائیں۔ اگر ایسا نہ ہو گا ان کی گفتار و کردار میں تفاوت ہو اور غیرت و حمیت کا جوہر ایمان سے عاری ہو، جیسا کہ قرآن میں آیا ہے۔ أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ وَأَنْتُمْ تَتْلُونَ الْكِتَابَ أَفَلَا تَعْقِلُونَ۔ کیا تم لوگوں کو نیکی کرنے کو کہتے ہو اور اپنے تئیں فراموش کیے دیتے ہو۔ اور تم کتاب پڑھتے ہو پھر کیوں نہیں سمجھتے؟ (البقرہ ۴۴)

علامہ محمد الخضری نے جہاد کی اصطلاحی انداز میں تشریح جو بیان کی ہے وہ مختصر ہے اور پر معنی بھی ہے۔ آپ بھی ملاحظہ فرمائیے۔

۱۔ ظلم کے وقت مدافعت کے لیے جہاد یعنی جب دوسرا آپ پر حملہ کرے تو دین اور اسلامی ریاست کے تحفظ کی خاطر تلوار استعمال کی جائے۔

۲۔ اگر دعوتِ اسلام میں کوئی اس طریقہ سے رکاوٹ پیدا کرے کہ جو شخص ایمان لے آئے اس کو طرح طرح کی تکالیف پہنچا کر ابتلا و امتحان میں ڈالے تاکہ اس نے اپنے لیے جس عقیدہ کو پسند کیا اس سے پلٹ جائے یا جو شخص اسلام لانا چاہتا ہے اس کو اسلام لانے سے روک دیا جائے۔ یا کسی داعی اسلام کو تبلیغ دعوت سے باز

رکھے تو ان صورتوں میں اسلام کی مدافعت و حفاظت کے لیے تلوار سے جہاد ضروری ہے۔ (تاریخ فقہ اسلامی - دار المصنفین)

قیام امن اور اصلاح معاشرہ میں ایسے لوگ جو حدود مملکتِ اسلامیہ کو نقصان پہنچانے کے درپے ہوں۔ جہاں دعوتِ دین کے دستوری اور قانونی راستے بند کر دئے جائیں اور خدا کے بندوں کو انسانوں کی غلامی میں جکڑ لیا جائے تو شر کے فتنہ کا مقابلہ کرنے کے لیے منکر کے تسلط کو توڑنے کے لیے قوت استعمال کی جائے۔ (اسلامی نظریہ حیات کراچی یونیورسٹی)

جہاد میں قتال کرنے کی فرضیت وضاحت سے بیان فرمائی گئی ہے۔ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ وَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسَىٰ أَن تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ٥ (البقرہ ۲۱۶)

ترجمہ: مسلمانو! تم پر (خدا کے راستہ میں) لڑنا فرض کر دیا گیا ہے۔ خواہ وہ تمہارے لیے بارِ خاطر ہی کیوں نہ ہو۔ ممکن ہے کہ تم ایک چیز ناپسند کرتے ہو اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو اور ممکن ہے کہ تم ایک چیز کو پسند کرو اور وہ تمہارے حق میں بری ہو۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے تم نہیں جانتے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ جہاد بالسیف (قتال) ان مکارمِ حیات اور امر و نہی کے استحکام کے لیے فرض کر دیا گیا۔ جہاں اشاعت کلمۃ اللہ کے دیگر ذرائع ناکام ہو جائیں۔ تب اس میں چون و چرا کی گنجائش کسی مسلمان کو زیب نہیں دیتی کیونکہ جو اس کے فوائد کثیرہ اور راجحانِ بے نظیر کے بارے میں علم انسانی بہت لاعلم ہے اور یہ احکامات قطعی ہو گئے کہ قیام امن اور اصلاح معاشرہ میں منجملہ وہ تمام رکاوٹیں جو حدودِ اسلامیہ کو نقصان پہنچانے کے درپے آزار ہوں ان تمام کا صفایا کر دینا اتنا ہی ضروری ہے، چاہے قتال ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔ اس میں دریغ کرنا قطعاً نادرست ہے۔ قتال کے متعلق جو پہلی آیت نازل ہوئی۔ وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ...... وَمَن يُقْتَلْ (البقرۃ: ۱۹۰-۱۹۱)

ترجمہ: اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں اور حد سے زیادہ نہ بڑھ جاؤ کیونکہ اللہ زیادتی کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔ اور ان کو مارو جہاں پاؤ۔ اور ان کو نکالو جہاں سے انھوں نے تم کو نکالا ہے کیونکہ فتنہ قتل سے زیادہ بری چیز ہے۔

امام ابن قیم کا فرمانا ہے۔ از روئے تحقیق ہر قسم کا جہاد فرض عین ہے۔ ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ انواع جہاد میں کسی نہ کسی نوع سے جہاد کرے۔ چاہے قلم و زبان سے چاہے مال و سنان سے۔ آپ فرماتے ہیں کہ جہاد بالنفس (جان کے ساتھ جہاد کرنا) فرض کفایہ ہے۔ اور جہاد بالمال فرض کے متعلق دو قول ہیں کہ یہ فرض عین بھی ہے اور فرض کفایہ بھی (زاد المعاد)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ أَدُلُّكُمْ ...... إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ (الصف ۱۰-۱۱)

ترجمہ:- اے ایمان والو! کیا میں تمھیں ایسی تجارت کی خبر دوں (جو) تمھیں دردناک عذاب سے نجات دے۔ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہو۔ اور اللہ کے راستے میں اپنے مال اور جان کے ساتھ جہاد کرتے ہو یہ تمھارے لیے بہتر ہے! اگر تم جانتے ہو۔"

ان آیاتِ کریمہ سے حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خاص راہِ خدا میں جنگ کرنے والوں کی تعریف و فضیلت بیان فرمائی ہے۔ اللہ کی راہ میں جان اور مال صرف کرنے والوں کو عذاب سے نجات کا وعدہ فرمایا ہے۔ ایسی تجارت کی ترغیب دی گئی ہے جس میں دولت و ملک گیری مقصود نہیں بلکہ صرف اللہ کی خوشنودی کے ساتھ ساتھ الطاف و عنایات کے بے پناہ وعدے شامل ہیں۔

قرآن نے سب معاملات میں انتہائی صبر و تحمل و برداشت کی تعلیم دی ہے۔ مگر اس تحمل و برداشت کو پست ہمتی۔ حق سے اعراض و مصالحت پر محمول نہ کیا جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ صریح الفاظ میں دینِ اسلام میں خوبیاں پیدا کرنے کو اور مسلمانوں کو کسی دوسرے نظامِ حیات کو اپنے اوپر مسلط کرنے کی ممانعت کی ہے۔ مسلح جہاد، جہاد کی سب سے مشکل اور صبر آزما قسم ہے۔ مگر جب کوئی صورت باقی نہ رہے تو مسلمانوں کو دین کی سرخروئی کے لیے اپنا مال اور جان تک خدا کی راہ میں صرف کر دینے کی ہدایت کی ہے۔ یہاں بھی پابندیاں ہیں کہ طاغوتی طاقتوں کے مقابلہ میں اپنی اسلامی قوت استعمال کرو مگر کسی انسان یا گروہ کو بجبر مسلمان بنانے کی کلی و قطعی اجازت نہیں۔ جب کفار اسلامی ریاست کے باشندے بن کر اطاعت سے پھر جائیں یا کفار کے زیر نگین مسلمان سب و شتم کا نشانہ بن جائیں اور اللہ کی راہ میں اپنے مسلمان بھائیوں کی استمداد کے طالب ہوں اور تم دیکھو کہ مسلمانوں کے انسانی حقوق پامال ہو رہے ہیں، اور وہ لوگ حرارتِ ایمان و غیرتِ ملی کے خلاف باطل کی ذلت و نامرادی کے گڑھے میں

دھکیلے جا رہے ہیں۔ اس وقت صبر و برداشت کو بالائے طاق رکھ کر راہِ صواب میں نکل آنے والوں کے لیے اجر عظیم کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے۔ جیسا کہ قرآنی آیات سے مظہر ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

وَإِنْ نَّكَثُوْا أَيْمَانَهُمْ مِنْ بَعْدِ عَهْدِهِمْ ..... فَقَاتِلُوْا أَئِمَّةَ الْكُفْرِ (التوبۃ: ۱۲)

ترجمہ:۔ "اگر کفار اپنے عہد کرنے کے بعد اپنی قسموں کو توڑ ڈالیں اور تمہارے اور تمہارے دین پر طعن کریں تو ان کفر کے پیشواؤں کو قتل کر دو" ایک اور موقع پر ان لوگوں کے خلاف جہاد (قتال) کا حکم دیا گیا ہے۔ جب کہ کفار کے ملکوں میں مسلمانوں کے کمزور مرد، ان کی عورتیں اور ان کے بچے موجود ہوں اور کفار ان کے مٹا دینے کے درپے ہوں۔ مَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ...... وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا (النساء: ۷۵)

ترجمہ۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں جہاد (قتال) نہیں کرتے اور حالت یہ ہو گئی ہے کہ کمزور مرد، عورتیں، بچے ایسے ہیں جو کہتے ہیں۔ اے ہمارے پروردگار ہم کو اس بستی سے نکال جس کے باشندوں نے ظلم کر رکھے ہیں اور ہمارے لیے اپنی طرف سے کوئی حمایتی پیدا کر اور ہمارے لیے اپنی طرف سے کسی کو مددگار بنا۔

فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا تُكَلَّفُ إِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَسَى اللّٰهُ أَنْ يَّكُفَّ بَأْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ا

ترجمہ:۔ پس اللہ کی راہ میں جنگ کیجیے۔ آپ کو صرف اپنی جان ہی کی تکلیف دی گئی ہے اور مسلمانوں کو جہاد کی طرف آمادہ کیجیے۔ امید ہے کہ اللہ کافروں کے خوف کو روک دے گا۔

فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا (الفرقان: ۵۲)

ترجمہ:۔ "آپ کافروں کا کہنا نہ مانیں اور اس (قرآن) کے ساتھ ان سے زبردست جنگ کریں"۔

قرآن کے ساتھ جنگ کرنے کا مفہوم سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ منکرین اسلام کے سامنے قرآنی دلیلوں سے بات کرو۔ اور اگر باز نہ آئیں تو قرآنی ہدایتوں کی روشنی میں ان سے قتال کرو جب تک تمہیں کامیابی میسر نہ ہو۔ اس نقطہ کو عبدالماجد دریابادی نے اس طرح تفسیر کیا ہے کہ کافر تو چاہتے ہی ہیں کہ ان کی آزادی میں فرق نہ پڑنے پائے اور آپ (مسلمان)

تبلیغ کے کام میں سست روی اختیار کرلیں ۔ سو آپ ان کے کہنے پر نہ چلیں ۔ آپ قرآن حکیم کے قائم کردہ دلائل حق کے ساتھ تبلیغ عام و تام جاری رکھیں ۔ فقہاء نے کہا ہے کہ اعلان قرآن اور تبلیغ بالقرآن میں غایت سعی و جہاد واجب ہے ۔

جنگ کی مصلحت کو خدائے علیم و حکیم جو خبیر و بصیر ، نفع و نقصان ، موت و حیات کا مختار کل ہے سے بہتر کون جان سکتا ہے ۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے نظام حیات و تعلیمات اسلام کے ذخائر و خزائن کا متعدد جگہ تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے ۔ اس کے ساتھ ساتھ معمورہ شرک و کفر اور گہوارۂ فسق و فجور میں پرورش پانے والے غلیظ منکرات سے جنگ کرنے کے لیے بغیر افراط و تفریط احکامات جاری کر دیے جن کی فراست و ژرف نگاہی باین ہمہ عقل و شعور انسانیت کے لیے دلیل حجت ہیں ۔ ملاحظہ فرمائیے ۔

كُلَّمَا أَوْقَدُوا نَارًا لِلْحَرْبِ أَطْفَأَهَا اللَّهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ (المائدۃ: ۶۴)

"یہ لوگ جب کبھی جنگ و خونریزی کی آگ بھڑکاتے ہیں تو اللہ اس کو بجھا دیتا ہے ۔ یہ لوگ زمین پر فساد پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں ۔ مگر اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ۔"

یہی فتنہ و فساد ، طمع و ہوس ، منافقت و عداوت ، تعصب و تنگ نظری جیسی منکرات کی ایسی غلیظ پیداوار ہے جس کو حق تعالیٰ اس حد تک ناپسند فرماتا ہے کہ اس کے خلاف جنگ و جدل کا حکم دیتا ہے ۔ ابن ماجہ سے حدیث مروی ہے کہ اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تمہیں لازم ہے کہ نیکی کا حکم کرو اور برائی سے روکو اور بدکار کا ہاتھ پکڑ لو اور اسے حق کی طرف موڑ دو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں پر بھی دوسرے کا اثر ڈال دے گا اور تم پر بھی اس طرح لعنت کرے جیسے ان پر کی تھی " ایسے حکام اور سربراہان سلطنت جن کا مطمع نظر اتباع خواہش ، نفس پرستی ، ظلم پروری کی سرپرستی ہو ان کی پیروی سے منع کیا گیا ہے ۔ فتنہ ریزی کی اقامت اور استبدائیت کی استقامت کے خلاف پورے زور شور سے تبلیغ جہاد کی تلقین کی گئی ہے ۔ ملاحظہ فرمائیے :

لَا تُطِيعُوا أَمْرَ الْمُسْرِفِينَ ۝ الَّذِينَ يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ ۔ (الشعراء ۱۵۱، ۱۵۲) وَإِذَا تَوَلَّىٰ سَعَىٰ فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَ

وَالنَّسْلَ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ۔ (البقرہ : ۲۰۵) اور جب وہ حاکم بنتا ہے تو زمین پر فساد پھیلانے کی کوشش کرتا ہے اور کھیتوں اور نسلوں کو تباہ کرتا ہے اور اللہ فساد کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔" فساد کی ایک جامع تعریف قرآن میں یہ کی گئی ہے کہ ان روابط اور تعلقات کو خراب کرنا اور ان رشتوں پر تیشہ چلانا جو فی الحقیقت انسانی تمدن کی بنیاد ہیں۔" (جہاد فی الاسلام) وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ .... اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ (رعد ۲۵)

ترجمہ: "اور جو لوگ اللہ کے عہد کو مضبوط باندھنے کے بعد توڑ دیتے ہیں اور ان تعلقات کو قطع کر دیتے ہیں جنھیں جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اور زمین پر فساد پھیلاتے ہیں۔ انہی پر اللہ کی لعنت ہے اور وہی لوگ ہیں جن کے لیے برا ٹھکانا ہے۔"

اب آپ پر واضح ہو گیا ہو گا کہ جن اسباب کے خلاف اسلام نے قوت استعمال کرنے کا حکم دیا ہے۔ ان میں سے ممتاز نوعیت فتنہ و فساد کی ہے جہاں جنگ کرنے کو ناگزیر بتایا گیا ہے۔ یہ بدی ان منکرات میں سے ہے جس کا استیصال بغیر تلوار کے استعمال کے ناممکن ہے۔ فتنہ کے لغوی معنی امتحان و آزمائش کے ہیں۔ خواہ وہ فائدے کے لالچ اور نعمت کی چاٹ اور محبوب چیزوں کی بخشش کے ذریعہ سے ہو یا نقصان کے خوف اور مصائب کی مار اور ایذا رسانی کے ذریعہ سے۔ مودودی صاحب نے اس کی اس طرح تشریح کی ہے کہ یہ آزمائش اگر خدا کی طرف سے ہو تو برحق ہے کیونکہ اسے بندوں کا امتحان لینے کا حق حاصل ہے۔ مگر اگر یہی آزمائش انسان کی طرف سے ہو تو یہ ظلم کہلاتا ہے۔ انسان جب کسی انسان کو فتنہ میں ڈالتا ہے تو اس کی غرض اس کی آزادی ضمیر سلب کرنے کی ہوتی ہے اور اس کو اپنی زندگی پر مجبور کرنا مقصود ہوتا ہے اور ایسے یہ فتنہ اخلاقی و روحانی پستی میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اس لیے اس کے خلاف جنگ کرنا فرض عین ہو جاتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔۔

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ (ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے) اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ (اگر تم ایسا نہ کرو گے تو زمین پر فتنہ اور بڑا فساد ہو گا) وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ (اور فتنہ قتل سے بھی زیادہ بری چیز ہے) فتنہ و فساد کی بیخ کنی میں خالق الارض کی رضا شامل ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ تمام روئے زمین کا خالق ہے۔ اس واسطے اس کو کسی خاص ملک سے یا کسی خاص نسل سے اس قبیح فعل کی دفعگی مقصود نہیں ہے بلکہ اس کو اپنی

تخلیق شدہ زمین کے کسی حصہ پر بھی فتنہ و فساد گوارا نہیں۔ حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی کو اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی منظور نہ تھی۔ آپ نظام تمدن کو فساد سے بچانے کے لیے۔ ابنائے نوع میں پاکیزگی اور معروف شعور کی تکمیل کے لیے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرتے تھے۔ آپ کی حیات طیبہ امر و نہی سے پر ہے اور اس کی بازیابی کے لیے ہمیشہ جہاد کے لیے تیار رہتے تھے جیسا کہ آپ سے ایک حدیث مروی ہے۔ حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ مجھے اللہ کے راستہ میں قتل کیا جائے۔ پھر زندہ کیا جائے۔ پھر قتل کیا جائے پھر مجھے زندہ کیا جائے اور فرمایا کہ اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والے کی مثال اس روزے دار کی سی ہے جو اللہ کے احکام پر عامل و قائم ہے۔ یہاں تک کہ مجاہد اللہ کے راستہ سے واپس آ جائے جس سے اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ اس سے وفا کرے گا۔ وہ اسے جنت میں داخل کرے گا اور اسے اجر سمیت واپس کرے گا۔" (ابن قیم۔ زاد المعاد) اسی طرح ایک اور حدیث ہے جو شخص مر جاتا ہے اس کا عمل ختم ہو جاتا ہے۔ مگر جو اللہ کی راہ میں پہرہ دیتے ہوئے فوت ہو جائے اس کا عمل قیامت تک بڑھتا رہتا ہے اور قبر کے عذاب سے بری ہو جاتا ہے۔ امام احمدؒ نے آپؐ سے حدیث مروی کی کہ اللہ کی راہ میں ایک رات جو پہرہ دیتا ہے اس سے افضل ہے کہ وہ ایک ہزار رات قیام کرے اور ہزار ایام کے روزے رکھے (ترجمان السنۃ)

جنگ کے اصولوں میں بھی جو رحم قانونِ قدرت کے موافق ہے اسلام نے اس میں بھی فروگزاشت نہیں کی۔ عورتوں کو، بچوں کو، بوڑھوں کو اور جو لڑائی میں شریک نہ ہوں ان کو قتل کرنے کی ممانعت کی ہے۔ عین لڑائی میں اور صفِ جنگ میں جو مغلوب ہو جائیں ان کو قتل کرنے کی اجازت نہیں دی۔ صلح کے معاہدوں کو اور امن کو ہر حالت میں قائم رکھنے کی رغبت دلائی ہے۔ باغوں، کھیتوں، مکانوں کو جلانے کی سختی سے ممانعت کی ہے۔ قیدیوں کو احسان رکھ کر یا فدیہ لے کر چھوڑ دینے کا حکم دیا ہے۔ نہایت ظالمانہ طریقے سے مثلہ کرنے اور اذیتیں پہنچا کر قتل کرنے کو قطعاً معدوم کر دیا۔ الغرض صلاح اور فلاح۔ استقلال قوانین فطرت کی بقا کے لیے میدانِ کارزار میں بھی راہ صواب پر چلنے کی ہدایتیں موجود ہیں۔ اس سے زیادہ جنگ و جدل میں مصلحت مبنی رحم و عدل اور کیا ہو سکتا ہے۔ بروایت عبد اللہ ابن عباس حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث بیان فرمائی کہ آپ سپہ سالاروں کو روانہ کرتے وقت ان کو اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے اور جو مسلمان ساتھ ہوں ان سے عمدہ برتاؤ کرنے کی تلقین

فرماتے تھے۔ نیز یہ فرماتے کہ اللہ کی راہ میں اللہ سے کفر کرنے والوں کے ساتھ جنگ کرو، خیانت قطعاً نہ کرنا، غداری نہ کرنا، مثلہ نہ کرنا، کسی عورت، بچہ یا بوڑھے کو جو جنگ میں شریک نہ ہو قتل ہرگز نہ کرنا۔" (کتاب الخروج)

اب یہ بات سمجھ لینا بہت آسان ہے کہ جو قوتیں اپنے مادی اسباب و علل کے بل بوتے پر اللہ رب العزت کے نام لیواؤں کو ذلت و خواری میں مبتلا کر ڈالیں اور مدعیانِ ایمان کو ایمان سوز افتنوں سے معتوب کریں۔ ان کی زجرو توبیخ کے لیے اپنے تمام اسباب و علل اور تدبیروں کو مجتمع کر کے خدا وند قدوس نے تلوار پکڑنے کی اجازت ہی نہیں دی بلکہ حکم دیا ہے۔ یہی لڑائی ہے جس کے لڑنے کی ترغیب و تعلیم دی گئی ہے۔ قرآن نے واشگاف الفاظ میں اس لڑائی میں مقتولوں کو دائمی عزت و ثواب کا وعدہ فرمایا ہے۔ یہی لڑائی ہے جس میں لڑنے والوں کی فضیلتوں کے قرآن اور احادیث میں بے شمار اذکار موجود ہیں۔ کون کہہ سکتا ہے کہ اس قسم کی لڑائی زیادتی اور ناانصافی پر مبنی ہے۔ کون دعویٰ کر سکتا ہے کہ ایسی لڑائی قانونِ قدرت کے منافی ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ اس لڑائی کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور فلاح اخروی کے علاوہ کچھ اور بھی ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ یہ لڑائی مکارم اخلاق کی سربلندی کے لیے نہیں ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ یہ لڑائی خدائے عزوجل کی مرضی کے خلاف ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ یہ لڑائی خدائے عزوجل کی مرضی کے خلاف ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ اس لڑائی کے معنی و محاسن مغلوب و مجبور مسلمانوں کی امداد اور ظلم و عدوان کے طاغوتوں کو مسمار کرنے کے علاوہ کچھ اور بھی نکل سکتے ہیں۔

تفسیر خازن مع النسفی

الترتیب والبیان عن تفصیل اسی القرآن، تفسیر روح البیان، احکام القرآن للجصاص، شرح شذور الذہب فی معرفۃ الکلام المعرب، اعلام الموقعین لابن قیم، منہاج السنۃ لابن تیمیہ رح الحاوی للفتاوی، الخصائص الکبریٰ للسیوطی، مروج الذہب ومعادن الجواہر (التاریخ الفتاوی الحدیثیہ لابن حجر مکی تنقیح الرواۃ فی تخریج احادیث المشکوٰۃ علاوہ ازیں بے شمار عربی اردو کتب کا ذخیرہ۔ آپ اپنی کوئی کتاب بھیجنا چاہیں تو ہمیں یاد فرمائیں۔

عبدالرحمٰن عاجز۔ مالک رحمانیہ دارالکتب امین پور بازار فیصل آباد